ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 416

Program: B.A. / Associate Degree

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: اسلامیات (416) • سطح: بی۔اے۔ / ایسوسی ایٹ ڈگری

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ 5 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر (بی۔اے۔): 50 • کامیابی کے نمبر (اے۔ڈی۔): 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ و حوالہ کے لیے)

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کریں، مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

سوال نمبر 1: سیرتِ طیبہ کے اہم واقعات، میثاقِ مدینہ اور مواخات (20 نمبر)

سوال نمبر 1: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اہم واقعات ذکر کریں۔ نیز میثاق مدینہ اور مواخات پر روشنی ڈالیں۔ (20)

تعارف

سیرتِ طیبہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ ہے، جو ہر مسلمان کے لیے کردار سازی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ قرآن نے آپ کی ذات کو بہترین نمونہ قرار دیا ہے، اس لیے آپ کی زندگی کے واقعات محض تاریخی معلومات نہیں بلکہ عملی رہنمائی ہیں۔ مکہ کی تیئس سالہ زندگی میں آپ نے سچائی، امانت، صبر اور دعوت و تبلیغ کا نمونہ پیش کیا، اور مدینہ کے دس سالوں میں ایک مثالی ریاست، مسجد، معاشرہ اور اخلاقی نظام قائم کیا۔ اس جواب میں سیرت کے اہم واقعات ترتیب وار بیان کیے جائیں گے، پھر ہجرت کے بعد قائم ہونے والے دو عظیم نظاموں، میثاقِ مدینہ اور مواخات، پر روشنی ڈالی جائے گی، جو اسلامی ریاست و معاشرے کی بنیاد ثابت ہوئے۔

سیرتِ طیبہ کے اہم واقعات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت 571ء میں مکہ مکرمہ میں ہوئی، جس سال ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ کعبہ پر چڑھائی کی تھی، اس لیے اسے عام الفیل کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد حضرت عبداللہ ولادت سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ رضاعت کے لیے آپ کو حضرت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کیا گیا، جن کے گھر آپ کی برکت کے عجیب آثار ظاہر ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا، پھر دادا عبدالمطلب نے کفالت کی اور ان کے بعد چچا ابو طالب آپ کے کفیل ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں آپ چچا کے ساتھ شام کے تجارتی سفر پر گئے، جہاں بحیرا راہب نے آپ میں نبوت کی نشانیاں پہچانیں۔ نوجوانی میں آپ نے میلہ عکاظ کے موقع پر ہونے والی جنگوں کے بعد قائم ہونے والے معاہدہ حلف الفضول میں شرکت کی، جس کا مقصد مظلوم کی مدد تھا اور آپ نے بعد میں بھی اس کی تعریف فرمائی۔ آپ کی سچائی و امانت کی وجہ سے اہل مکہ آپ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ پچیس سال کی عمر میں آپ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، جو آپ کی پہلی اور سب سے بڑی معاون ثابت ہوئیں۔

چالیس سال کی عمر میں غارِ حرا میں عبادت و تفکر (تحنث) کے دوران رمضان المبارک میں آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور سورۃ العلق کی ابتدائی آیات کے ساتھ نبوت کا آغاز ہوا۔ آغاز میں دعوت خفیہ طور پر تین سال تک جاری رہی، پھر جہری دعوت کا حکم آیا۔ قریش کی مخالفت، طائف کا دردناک سفر، صحابہ کی حبشہ کی طرف ہجرت، شعب ابی طالب کا تین سالہ مقاطعہ اور عام الحزن میں حضرت خدیجہ و ابو طالب کی وفات جیسے مراحل سے دعوت گزری۔ اسی دور میں معراج کا عظیم واقعہ پیش آیا، جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر بیعتِ عقبہ اولیٰ و ثانیہ کے بعد 622ء میں آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مدینہ میں مسجدِ قبا اور مسجدِ نبوی کی تعمیر ہوئی، اذان کا نظام قائم ہوا، مواخات اور میثاقِ مدینہ جیسے بنیادی اقدامات ہوئے۔ دفاعی جنگوں میں بدر (2ھ)، احد (3ھ) اور خندق (5ھ) پیش آئیں، 6ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی، جسے قرآن نے فتحِ مبین قرار دیا، پھر آپ نے مختلف بادشاہوں کو خطوط بھیجے۔ 8ھ میں مکہ فتح ہوا اور آپ نے عام معافی کا اعلان فرما کر اخلاق کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ 9ھ میں غزوہ تبوک ہوا اور 10ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے وہ تاریخی خطبہ دیا جس میں انسانی حقوق، مساوات اور امانت کا مکمل منشور پیش کیا۔ 11ھ میں 12 ربیع الاول کو آپ کا وصال ہوا۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ سیرت کا ہر مرحلہ صبر، حکمت، رحمت اور قیادت کا کامل نمونہ ہے۔

میثاقِ مدینہ

ہجرت کے فوراًبعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے مختلف قبائل، مہاجرین، انصار اور یہودی قبائل کے درمیان ایک تحریری معاہدہ کرایا، جسے میثاقِ مدینہ یا صحیفہ مدینہ کہا جاتا ہے۔ مؤرخین اسے دنیا کے قدیم ترین تحریری آئینوں میں شمار کرتے ہیں۔ اس کی اہم دفعات یہ تھیں: تمام فریق مل کر ایک امت ہوں گے؛ مدینہ پر حملے کی صورت میں سب مل کر دفاع کریں گے؛ ہر گروہ کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی ہوگی اور یہود کو ان کے حقوق حاصل رہیں گے؛ کوئی فریق تنہا دشمن سے صلح نہیں کرے گا؛ ظلم و زیادتی کرنے والے کو کوئی پناہ یا حمایت نہیں ملے گی؛ اختلافات کی صورت میں فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹایا جائے گا؛ مدینہ کو حرم قرار دیا گیا کہ اس میں خون ریزی نہیں ہو گی؛ اور خون بہا و فدیے کا پرانا نظام باہمی تعاون کے ساتھ برقرار رہے گا۔

میثاقِ مدینہ کے اثرات نہایت دور رس تھے۔ اس سے مدینہ میں پہلی مرتبہ ایک منظم ریاست کا قیام عمل میں آیا جس میں مختلف مذاہب کے لوگ پرامن بقائے باہمی کے ساتھ رہنے لگے۔ یہ معاہدہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام اقلیتوں کے حقوق کا محافظ ہے اور ریاست کا نظم تحریری آئین، انصاف اور باہمی مشاورت پر قائم ہونا چاہیے۔ یہی میثاق بعد کی اسلامی ریاستوں کے لیے بنیادی نمونہ بنا اور آج بھی بین المذاہب ہم آہنگی اور شہری حقوق کی بہترین مثال سمجھا جاتا ہے۔

مواخات

مواخات سے مراد وہ دینی بھائی چارہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم فرمایا۔ مہاجرین مکہ سے اپنا گھر بار، مال و کاروبار چھوڑ کر خالی ہاتھ مدینہ آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی یا حضرت انس کے گھر میں مہاجر و انصار کی مجلس منعقد کی اور ہر مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ مشہور مثالیں یہ ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا گیا؛ سعد نے اپنے مال کا آدھا حصہ پیش کیا، مگر عبدالرحمن بن عوف نے شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ مجھے بازار کا راستہ بتا دو، اور انہوں نے محنت سے تجارت کر کے خود کفیل ہو کر مثال قائم کی۔ اسی طرح حضرت سلمان فارسی کو حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہما کا بھائی بنایا گیا۔

مواخات محض رسمی اعلان نہیں تھی بلکہ انصار نے واقعی اپنے گھروں، باغات اور آمدنی میں مہاجر بھائیوں کو شریک کیا، اور کچھ عرصہ تک اس بھائی چارے کی بنیاد پر وراثت کا حق بھی قائم رہا، جو بعد میں قرآنی حکم سے رشتہ داروں تک محدود ہو گیا۔ مواخات کے نتائج یہ نکلے کہ مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ بغیر کسی بوجھ کے حل ہو گیا، مدینہ کا معاشرہ تقسیم کے بجائے محبت و ایثار کی بنیاد پر متحد ہو گیا، اور دنیا کو یہ سبق ملا کہ مہاجرین و پناہ گزینوں کا مسئلہ ہمدردی، شراکت اور خود انحصاری کے مواقع سے حل ہوتا ہے، نہ کہ صرف امداد سے۔ یہی روحِ مواخات آج بھی اسلامی معاشرے کی شناخت ہے۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ سیرتِ طیبہ کے واقعات کا سلسلہ ولادت سے وصال تک صبر، سچائی، رحمت اور فیادت کا کامل درس دیتا ہے۔ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاقِ مدینہ کے ذریعے ایک آئینی و کثیر المذہبی ریاست کی بنیاد رکھ اور مواخات کے ذریعے ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس کی بنیاد ایثار و محبت تھی۔ طالب علم کے لیے سیرت کا اصل پیغام یہی ہے کہ ان واقعات کو صرف پڑھا نہ جائے بلکہ اپنی عملی زندگی میں اپنایا جائے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

سوال نمبر 2: اسلامی عبادات اور جہاد کی ضرورت، اہمیت و افادیت (20 نمبر)

سوال نمبر 2: اسلامی عبادات پر جامع نوٹ لکھیں۔ نیز جہاد کی ضرورت و اہمیت اور افادیت بیان کریں۔ (20)

تعارف

ایمان کے بعد اسلام کا دوسرا بڑا شعبہ عبادات ہے، جن کے ذریعے بندے کا اپنے خالق سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اور اس کی روحانی تربیت ہوتی ہے۔ عبادت صرف چند رسوم کا نام نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لیے کیا جانے والا ہر نیک عمل اس میں شامل ہے، تاہم بنیادی عبادات نماز، روزہ، زکاۃ اور حج ہیں، جنہیں اسلام کے ارکان قرار دیا گیا ہے۔ دوسری طرف جہاد اسلام کی ایک اہم اصطلاح ہے، جسے اکثر غلط مفہوم میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس جواب میں پہلے اسلامی عبادات پر جامع نوٹ پیش کیا جائے گا اور پھر جہاد کے صحیح مفہوم، اس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت بیان کی جائے گی۔

اسلامی عبادات پر جامع نوٹ

عبادت کے لغوی معنی ہیں عاجزی و بندگی کا اظہار؛ اصطلاح میں اللہ کی رضا کے لیے اس کے حکم کے مطابق کیا گیا قول و عمل عبادت ہے۔ نماز سب سے پہلی اور اہم عبادت ہے جو دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے؛ قرآن فرماتا ہے: ”بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔“ (العنکبوت: 45) نماز اللہ سے براہِ راست رابطے، وقت کی پابندی، جماعت کے ذریعے اتحاد و مساوات اور روحانی سکون کا ذریعہ ہے۔ روزہ رمضان المبارک میں فرض ہے اور اس کا مقصد تقویٰ پیدا کرنا بیان ہوا ہے (البقرہ: 183)؛ روزہ صبر، خود احتسابی، غریبوں کی بھوک کا احساس اور نفس کی تربیت کرتا ہے۔ زکاۃ مال کی عبادت ہے؛ صاحبِ نصاب مسلمان اپنے مال سے ڈھائی فیصد ضرورت مندوں کو دیتا ہے، جس سے مال پاک ہوتا ہے، دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے گردش میں آتی ہے اور معاشرے میں غربت کم ہوتی ہے۔ قرآن نے زکاۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے ہیں (التوبہ: 60) جن میں فقراء، مساکین، مقروض اور مسافر شامل ہیں۔ حج استطاعت رکھنے والے پر زندگی میں ایک بار فرض ہے (آل عمران: 97)؛ یہ عالمی اخوت، مساوات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کی یاد کا عظیم اجتماع ہے۔

ان بنیادی عبادات کے علاوہ ذکر و اذکار، دعا، تلاوتِ قرآن، صدقہ و خیرات اور والدین کی خدمت بھی عبادات میں شامل ہیں۔ عبادات کے مشترکہ فوائد یہ ہیں کہ ان سے اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے، دل کو سکون ملتا ہے، کردار میں دیانت و تقویٰ پیدا ہوتا ہے، اور معاشرے میں مساوات، ہمدردی اور نظم و ضبط قائم ہوتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ عبادت سنت کے مطابق اور اخلاص کے ساتھ ہو، ورنہ وہ رسم بن کر رہ جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے (متفق علیہ)، اس لیے ہر عبادت میں نیت کی درستی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

اسلام میں عبادت کا تصور بہت وسیع ہے۔ تلاوتِ قرآن اور ذکر و اذکار سے قلب کو زندگی اور سکون ملتا ہے، فرمانِ الٰہی ہے کہ دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتا ہے (الرعد: 28)۔ دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ دعا میں بندہ اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت کا اقرار کرتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ جائز کام جو اللہ کی رضا کی نیت سے کیا جائے، عبادت بن جاتا ہے: طلبہ کا علم حاصل کرنا، کسان و مزدور کی حلال روزی کمانا، مریض کی عیادت، ضرورت مند کی مدد، حتیٰ کہ راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا بھی عبادت و صدقہ شمار ہوتا ہے۔ اس وسعت نے مسلمان کی پوری زندگی کو عبادت گاہ بنا دیا ہے۔ عبادات کے سماجی اثرات بھی نمایاں ہیں: نماز جماعت میں بادشاہ و فقیر ایک صف میں

کھڑے ہو کر مساوات کا عملی سبق دیتے ہیں، روزہ امیر کو غریب کی بھوک کا احساس دلاتا ہے، زکاۃ دولت کی گردش سے طبقاتی کشمکش کم کرتی ہے اور حج پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے عالمی اخوت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اس لیے عبادات کو رسم کے بجائے روح کے ساتھ ادا کرنا ہی ان کا اصل مقصد ہے۔

جہاد کا مفہوم

جہاد کا لفظ "جہد" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں کوشش، محنت اور مشقت۔ اصطلاح میں جہاد سے مراد اللہ کی رضا کے لیے دین کی سربلندی، ظلم کے خاتمے اور حق کے قیام کے لیے اپنی پوری صلاحیت و وسائل صرف کر دینا ہے۔ اس لیے جہاد کا مفہوم صرف جنگ تک محدود نہیں۔ علماء نے اس کی کئی صورتیں بیان کی ہیں: نفس کے خلاف جہاد، یعنی اپنی خواہشات و گناہوں سے لڑنا، جسے حقیقی جدوجہد کہا گیا ہے؛ زبان و قلم سے حق کی دعوت و تبلیغ؛ مال سے نیکی و دفاع کے کاموں میں خرچ کرنا؛ اور جب دشمن حملہ آور ہو یا ظلم روکنا اس کے بغیر ممکن نہ ہو تو ریاست کے نظم کے تحت دفاعی قتال۔ قرآن نے ایمان والوں کی صفت یوں بیان کی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں (الصف: 11)، اور یہ بھی فرمایا کہ تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اگرچہ وہ تمہیں ناگوار ہو (البقرہ: 216)۔ ساتھ ہی قرآن نے زیادتی سے منع کیا ہے: "اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (البقرہ: 190)

جہاد کی ضرورت، اہمیت اور افادیت

جہاد کی ضرورت اس لیے ہے کہ دنیا میں ظلم، فساد اور طاقت کے غلط استعمال کا سدِباب صرف نصیحت سے ہمیشہ ممکن نہیں ہوتا؛ کبھی مظلوموں کی حفاظت، ملک و ملت کا دفاع اور امن کے قیام کے لیے قوت کا منظم استعمال بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جہاد کی اہمیت یہ ہے کہ یہ کمزوروں کا تحفظ کرتا ہے: قرآن نے سوال کیا ہے کہ تم کیوں نہ اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر لڑو جو فریاد کرتے ہیں (النساء: 75)۔ اس کی افادیت یہ ہے کہ اس سے فتنہ و فساد ختم ہو کر امن قائم ہوتا ہے (الانفال: 39)، مذہبی آزادی محفوظ رہتی ہے اور عبادت گاہوں کا تحفظ ہوتا ہے (الحج: 40)، اور معاشرے میں عدل کا نظام قائم ہوتا ہے۔ تاہم اسلام نے جہاد و قتال کے سخت آداب مقرر کیے ہیں: عورتوں، بچوں، بوڑھوں، عبادت گاہوں میں مصروف راہبوں کو قتل نہ کیا جائے، درخت و فصلیں تباہ نہ کی جائیں، اسیر ان سے حسنِ سلوک ہو اور معاہدوں کی پابندی کی

جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی یہی تعلیمات اس بات کا ثبوت ہیں کہ اسلام کا جہاد دہشت گردی نہیں بلکہ ظلم کے خلاف منظم، اصولی اور دفاعی جدوجہد ہے، جس کا فیصلہ و اعلان ریاستی نظم کے تحت ہوتا ہے، انفرادی تشدد اس میں شامل نہیں۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ نماز، روزہ، زکاۃ اور حج جیسی عبادات مسلمان کی روحانی و اخلاقی تربیت کرتی ہیں اور اسے اللہ سے جوڑتی ہیں، جبکہ جہاد اس دین کے تحفظ، مظلوم کی مدد اور امن و عدل کے قیام کی جامع جدوجہد ہے۔ عبادت بندے کو اندر سے بناتی ہے اور جہاد معاشرے کو ظلم سے بچاتا ہے؛ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے: اللہ کی رضا اور انسانیت کی بھلائی۔

سوال نمبر 3: اشاعتِ علوم میں مسلمانوں کا کردار (20 نمبر)

سوال نمبر 3: اشاعت علوم میں مسلمانوں کے کردار پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

اسلام دنیا کا وہ واحد دین ہے جس کی پہلی وحی کا پہلا لفظ ہی "اقرأ" (پڑھ) تھا اور جس نے قلم و کتاب کو علم کا ذریعہ قرار دیا۔ اسی بنیاد پر مسلمانوں نے تاریخ میں علوم و فنون کی اشاعت، حفاظت اور ترقی کا وہ عظیم کارنامہ انجام دیا جس کے بغیر جدید سائنس کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔ جب یورپ میں علم مفقود ہو رہا تھا، اس وقت بغداد، قرطبہ، قاہرہ اور سمرقند علم کے چراغ روشن کیے ہوئے تھے۔ اس جواب میں مسلمانوں کے اس کردار کو منظم انداز میں پیش کیا جائے گا: علم کی دینی ترغیب، ترجمے کی تحریک، لائبریریوں و جامعات کا قیام، اہم سائنس دانوں کی خدمات اور یورپ تک علم کی منتقلی۔

علم کی دینی بنیاد اور تحریکِ ترجمہ

قرآن و سنت میں علم کی بے پناہ ترغیب ہے۔ فرمایا گیا: "کہہ دیجیے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟" (الزمر: 9) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" (ابن ماجہ) غزوہ بدر کے قیدیوں کو مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے عوض آزاد کرنا اسی تعلیم کی عملی مثال ہے۔ اس دینی جذبے کے تحت مسلمانوں نے پہلے مرحلے میں یونان، فارس اور ہندوستان کے علوم حاصل کیے۔ عباسی دور میں بغداد میں بیت الحکمہ قائم ہوا، جہاں ارسطو، افلاطون،

جالینوس، بقراط اور اقلیدس کی کتب کا عربی میں ترجمہ ہوا؛ حنین بن اسحاق جیسے مترجمین کو ترجمے کے وزن کے برابر سونا دیا جاتا تھا۔ اسی دور میں کاغذ سازی کی صنعت چین سے سمرقند و بغداد ہوتی ہوئی مسلمانوں کے ذریعے یورپ پہنچی، جس نے کتب کی اشاعت کو سستا اور عام کر دیا۔

مسلمان سائنس دانوں کی اصل خدمات

مسلمانوں نے صرف ترجمہ نہیں کیا بلکہ ہر علم میں اصل اضافے کیے۔ ریاضی میں الخوارزمی نے الجبر کی بنیاد رکھی؛ اسی کے نام سے الگورتھم اور اس کی کتاب کے نام سے الجبرا کے الفاظ آج بھی رائج ہیں، اور ہندی اعداد و صفر کا نظام مسلمانوں کے توسط سے یورپ پہنچا۔ طب میں ابن سینا کی القانون فی الطب صدیوں تک یورپ کی جامعات میں نصاب رہی اور الرازی نے چیچک و خسرہ کی پہچان سمیت اہم طبی تحقیقات پیش کیں۔ فلکیات میں البیرونی نے زمین کے قطر کی پیمائش کی، البتانی اور نصیر الدین طوسی نے فلکی جداول و رصد گاہیں قائم کیں۔ کیمیا میں جابر بن حیان کو اس علم کا بانی مانا جاتا ہے، جس نے تجرباتی طریقہ اپنایا۔ بصریات (آپٹکس) میں ابن الہیثم کی کتاب المناظر نے روشنی و بصارت کے پرانے تصورات بدل دیے۔ جغرافیہ میں الادریسی نے دنیا کے نقشے مرتب کیے، تاریخ و عمرانیات میں ابن خلدون نے مقدمہ لکھ کر سماجیات کی بنیاد رکھی، اور فلسفہ میں الفارابی، ابن رشد اور امام غزالی نے عظیم خدمات انجام دیں۔ اسی طرح مسلمانوں نے جراحی کے آلات، دواسازی، آب پاشی، گھڑی سازی اور نقشہ نگاری میں بھی قابلِ قدر کام کیا۔

ادارے، کتب خانے اور یورپ کو منتقلی

اشاعتِ علوم کے لیے مسلمانوں نے باقاعدہ ادارے قائم کیے۔ بغداد کی جامعہ نظامیہ، قاہرہ کی جامعہ ازہر اور قرطبہ و فاس کی جامعات صدیوں تک علم کے مراکز رہیں۔ وقف کے نظام کے تحت مساجد، مدارس اور کتب خانے قائم ہوئے؛ قرطبہ کے کتب خانے میں لاکھوں کتب تھیں اور بغداد و قاہرہ کے کتب خانے دنیا بھر میں مشہور تھے۔ مسلمانوں نے لائبریری سائنس، فہرست سازی اور کتب کی حفاظت و نقل (وراقین) کا باقاعدہ نظام بھی مرتب کیا۔ بعد میں یہی علوم اندلس (اسپین) اور صقلیہ (سسلی) کے ذریعے یورپ منتقل ہوئے؛ طلیطلہ میں عربی کتب کے لاطینی تراجم ہوئے اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد میں مسلم علوم کا بڑا حصہ رہا۔ المختصر مسلمانوں نے علم کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اسے تجربہ و تحقیق سے آگے بڑھا کر پوری انسانیت کی مشترک میراث بنا دیا۔ ہم مسلمانوں کے لیے اس تاریخ کا سبق یہ ہے کہ علمی عروج دین سے دوری سے نہیں بلکہ علم سے

محبت اور محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح کتب کی حفاظت کے لیے مسلمانوں نے کتاب سازی، جلد بندی اور خطاطی کو فن کا درجہ دیا؛ ناسخوں اور وراقوں کی باقاعدہ انجمنیں قائم ہوئیں اور مقالات و رسائل کی صورت میں سائنسی مباحث کا سلسلہ جاری رہا، جس سے علم صرف درسگاہوں تک محدود نہ رہا بلکہ عام پڑھے لکھے طبقے تک پہنچا۔ علم کی اسی اشاعت نے بعد کے ادوار میں پرنٹنگ پریس سے پہلے کی دنیا میں کتاب کو سب سے بڑا ذریعہ تعلیم بنا دیا۔

طبی، فلکیاتی اور فنّی خدمات کی مزید جھلک

مسلمانوں کی طبی خدمات کا ایک اور درخشاں نام ابن النفیس ہے، جس نے دورانِ خون کے چھوٹے دائرے (پھیپھڑوں کی گردش) کو دریافت کیا، جو جدید طب کی بنیاد بنی۔ ابو القاسم الزہراوی کو جراحی کا بانی مانا جاتا ہے؛ اس کی کتاب التصریف میں جراحی کے دو سو سے زائد آلات کی تصاویر و تشریحات موجود ہیں اور یہ کتاب صدیوں تک یورپ میں پڑھائی جاتی رہی۔ مسلمانوں نے دنیا کے پہلے باقاعدہ اسپتال (بیمارستان) قائم کیے، جن میں بغداد، دمشق اور قاہرہ کے اسپتال مشہور ہیں؛ یہاں مریضوں کا علاج مفت ہوتا تھا، دواخانے اور طبی تعلیم کے شعبے قائم تھے۔ فلکیات میں مسلمانوں نے رصد گاہیں بنا کر سیاروں کی حرکات کے درست جداول مرتب کیے، اصطرلاب جیسے آلات ایجاد و تدوین کیے اور آج بھی آسمان کے اکثر ستاروں اور کئی فلکی اصطلاحات کے نام عربی ہی ہیں۔ فنِ تعمیر میں گنبد، محراب، مینار اور خطاطی کے شاہکار، ریاضیاتی جیومیٹری کی عملی صورت بن کر قرطبہ، غرناطہ، بغداد اور قاہرہ میں آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح مسلمان تاجروں و سیاحوں نے جغرافیائی معلومات اور نئی فصلوں و صنعتوں کو براعظموں تک پہنچا کر علم کی اشاعت کو تجارتی و سفری راستوں سے بھی عام کیا۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے قرآن و سنت کی علم دوست تعلیمات کی روشنی میں ترجمے، تحقیق، تصنیف، کتب خانوں اور جامعات کے ذریعے علوم کی اشاعت کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ ریاضی، طب، فلکیات، کیمیا، جغرافیہ اور سماجیات میں ان کی خدمات آج بھی تسلیم شدہ ہیں اور جدید تہذیب ان کی مرہونِ منت ہے۔ یہ کردار آج کے طالب علم کو بھی علم کی راہ میں محنت کی دعوت دیتا ہے۔

سوال نمبر 4: اسلام کی اخلاقی اقدار، اسلامی معاشرے کے اوصاف، والدین کے حقوق، شرفِ انسانیت اور وحدتِ انسانیت (20 نمبر)

سوال نمبر 4: اسلام کی اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف کیا ہیں؟ مختصر مگر جامع نوٹ لکھیں۔ والدین کے حقوق پر روشنی ڈالیں۔ نیز شرف انسانیت اور وحدت انسانیت کے اصول بیان کریں۔(20)

تعارف

اسلام محض عقائد و عبادات کا مذہب نہیں بلکہ اخلاق کا کامل نظام بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا ایک بڑا مقصد یوں بیان فرمایا: "میں اخلاق کی بلند اقدار کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔" یہی اخلاقی اقدار اسلامی معاشرے کی بنیاد ہیں، جن میں والدین کے حقوق سے لے کر پوری انسانیت کے احترام و وحدت تک کے اصول شامل ہیں۔ اس جواب میں پہلے اسلام کی اہم اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف بیان ہوں گے، پھر والدین کے حقوق پر روشنی ڈالی جائے گی اور آخر میں شرفِ انسانیت اور وحدتِ انسانیت کے دو عظیم اصول بیان کیے جائیں گے۔

اسلام کی اخلاقی اقدار اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف

اسلام کی نمایاں اخلاقی اقدار یہ ہیں: صدق یعنی سچائی، جو ہر حال میں لازم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایمان کی نشانی ہے؛ امانت و دیانت، جس کی خلاف ورزی منافقت کی علامت بتائی گئی ہے؛ عدل و انصاف، جس کا حکم دشمن کے مقابلے میں بھی دیا گیا ہے (المائدہ: 8)؛ احسان، یعنی ہر کام خوبی سے کرنا اور مخلوق سے بھلائی؛ صبر و شکر، جو مصیبت و نعمت دونوں حالتوں میں مومن کا وصف ہے؛ رحم و نرم دلی، سخاوت و ایثار، عفو و درگزر، تواضع، وفائے عہد اور حیا۔ ان اقدار پر قائم اسلامی معاشرے کے بنیادی اوصاف یہ ہیں: وہ اخوت پر قائم ہوتا ہے، کیونکہ تمام مومن بھائی ہیں (الحجرات: 10)؛ اس میں نسل، رنگ و دولت کی بنیاد پر تفریق نہیں، فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے (الحجرات: 13)؛ اس میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نظام نیکی کو عام اور برائی کو روکتا ہے؛ شورا یعنی باہمی مشاورت اس کا سیاسی و سماجی اصول ہے (الشوریٰ: 38)؛ بیت المال و زکاۃ کے ذریعے ضرورت مندوں کی کفالت ریاست و معاشرے کی ذمہ داری ہوتی ہے؛ اور پڑوسی، مسافر، یتیم و مسکین سمیت ہر طبقے کے حقوق کی حفاظت اس کی پہچان ہوتی ہے۔ ایسا معاشرہ امن، اعتماد اور باہمی ہمدردی کا گہوارہ بنتا ہے۔

اسلامی اخلاقیات کا ایک اہم باب حقوق العباد ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (متفق علیہ)۔ پڑوسی کے حقوق کی اتنی تاکید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے (متفق علیہ)۔ اسی طرح یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنت میں اپنے ساتھ قرب کی بشارت دی گئی، مسکین کو کھانا کھلانا افضل اعمال میں شمار ہوا، اور بڑوں کا احترام و چھوٹوں پر شفقت کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا۔ عیبت، بہتان، حسد، تکبر اور وعدہ خلافی کو اخلاقی برائیاں قرار دے کر ان سے روکا گیا۔ جب یہ اقدار عملی زندگی میں آتی ہیں تو بازار میں دیانت، دفتر میں انصاف، گھر میں محبت اور گلی محلے میں امن پیدا ہوتا ہے؛ یہی اسلامی معاشرے کی اصل خوبصورتی ہے جو اسے دوسرے نظاموں سے ممتاز کرتی ہے۔

والدین کے حقوق

اسلام نے اللہ کی عبادت کے حکم کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، جس سے ان حقوق کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: "اور تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو؛ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑکو اور ان سے نرمی سے بات کرو۔ اور ان کے لیے عاجزی کے بازو جھکا دو اور کہو: اے میرے رب! ان پر رحم فرما جیسے انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔" (بنی اسرائیل: 23 تا 24) والدین کے حقوق میں ان کی اطاعت (شریعت کے خلاف نہ ہو تو)، ان کی خدمت و کفالت، ان سے نرمی و محبت سے پیش آنا، ان کے لیے دعا کرنا، ان کے عزیزوں و دوستوں سے حسنِ سلوک اور ان کی وفات کے بعد ان کے قرضے و وصیت کی تکمیل اور ایصالِ ثواب شامل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رضا والد کی رضا میں اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے (ترمذی)، اور ایک صحابی کے تین بار پوچھنے پر ہر بار ماں کو حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار قرار دیا، پھر چوتھی بار باپ کا ذکر فرمایا (متفق علیہ)۔ یہی وجہ ہے کہ ماں کے قدموں تلے جنت کی بشارت دی گئی اور والد کو جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ کہا گیا۔

شرفِ انسانیت اور وحدتِ انسانیت کے اصول

شرفِ انسانیت سے مراد یہ اصول ہے کہ ہر انسان بحیثیت انسان باعزت و قابل احترام ہے، خواہ اس کا مذہب، رنگ یا قوم کچھ بھی ہو۔ قرآن فرماتا ہے: "اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔" (بنی اسرائیل: 70) انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا، اس میں اللہ کی روح پھونکی گئی اور اس کے لیے زمین کی نعمتیں مسخر کی گئیں (لقمان: 20)۔ اسی شرف کی بنا پر ایک انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کے قتل کے برابر قرار دیا گیا (المائدہ: 32)، انسانی جان، مال و عزت کو حرمت پائی اور کسی انسان کی تحقیر و تمسخر کو گناہ ٹھہرایا گیا۔ یہی اصول انسانی حقوق کی اصل بنیاد ہے۔

وحدتِ انسانیت سے مراد یہ اصول ہے کہ تمام انسان ایک ہی اصل سے ہیں، لہٰذا بنیادی طور پر ایک امت و برادری ہیں۔ قرآن فرماتا ہے: "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔" (النساء: 1) اور سورۃ الحجرات میں قبائل و قوموں کی تقسیم کو صرف پہچان کا ذریعہ قرار دے کر عزت کا معیار تقویٰ بتایا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: "کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں، سوائے تقویٰ کے۔" اس اصول کی روشنی میں نسل پرستی، لسانی تعصب اور طبقاتی اونچ نیچ ختم ہوتی ہے اور پوری انسانیت بھائی چارے کے ایک رشتے میں بندھتی ہے۔ یہی دو اصول، شرفِ انسانیت اور وحدتِ انسانیت، آج کی دنیا کے انسانی حقوق و عالمی امن کے تصورات کی اصل دینی بنیاد ہیں۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی اخلاقی اقدار — صدق، امانت، عدل، احسان اور رحم — اسلامی معاشرے کو اخوت و مساوات کا نمونہ بناتی ہیں۔ اس معاشرے میں والدین کے حقوق کو اللہ کی عبادت کے بعد سب سے اہم درجہ حاصل ہے، اور شرفِ انسانیت و وحدتِ انسانیت کے اصول پوری بنی نوع انسان کو عزت و برابری کی ضمانت دیتے ہیں۔ یہی وہ نظامِ اخلاق ہے جو اسلام کو ہر دور کے لیے زندہ و متعلق رکھتا ہے۔

سوال نمبر 5: اسلامی تشخص اور فقر و فاقے کا خاتمہ و معیشت کا استحکام (20 نمبر)

سوال نمبر 5: اسلامی تشخص پر جامع نوٹ لکھیں۔ نیز اسلام میں فقر و فاقہ کے خاتمے اور انفرادی و قومی معیشت کے استحکام کے لیے کیا حکم ہے؟ (20)

تعارف

ہر قوم کی ایک پہچان ہوتی ہے جس سے وہ دنیا میں ممتاز ہوتی ہے۔ مسلمان قوم کی پہچان اس کا اسلامی تشخص ہے، یعنی عقیدہ، عبادت، اخلاق اور تہذیب و ثقافت میں اپنا امتیازی دینی رنگ برقرار رکھنا۔ اسی طرح اسلام نے انسان کی معاشی زندگی کو بھی نظر انداز نہیں کیا؛ اس نے فقر و فاقے کے خاتمے کے لیے زکاۃ، صدقات، سود کی ممانعت اور کسبِ حلال جیسا مکمل نظام دیا، جس سے فرد کی معیشت بھی مستحکم ہوتی ہے اور قومی معیشت بھی۔ اس جواب میں پہلے اسلامی تشخص پر جامع نوٹ پیش کیا جائے گا اور پھر فقر کے خاتمے اور معیشت کے استحکام کے اسلامی احکام و اصول بیان کیے جائیں گے۔

اسلامی تشخص پر جامع نوٹ

تشخص سے مراد کسی شخص یا قوم کی وہ امتیازی شناخت ہے جس سے وہ دوسروں سے پہچانی جائے۔ اسلامی تشخص سے مراد مسلمان کی وہ دینی و تہذیبی شناخت ہے جو اس کے عقیدے، عبادت، اخلاق، لباس، زبان، تہواروں اور طرزِ زندگی میں نمایاں ہو۔ اس کی بنیادیں یہ ہیں: توحید و رسالت کا پختہ عقیدہ اور قرآن و سنت سے وابستگی؛ نماز، روزہ اور دیگر شعائرِ اسلام کا اہتمام، مثلاً مسجد، اذان، جمعہ و عیدین، جو معاشرے میں دینی ماحول پیدا کرتے ہیں؛ حلال و حرام کا شعور اور پاکیزہ زندگی؛ اور اسلامی اخلاق یعنی سچائی، پردہ و حیا، سادگی و وقار۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شناخت کو برقرار رکھنے کی تاکید فرمائی اور غیر اقوام کی اندھی تقلید سے منع کیا۔ اسلام نے اہلِ کتاب کو ان کی اچھی باتوں میں تقلید سے نہیں روکا، مگر عقیدے و عبادت اور تہذیبی علامتوں میں اپنی الگ شناخت برقرار رکھنے کا حکم دیا، کیونکہ قومیں اپنے تشخص سے ہی زندہ رہتی ہیں۔

آج کے دور میں اسلامی تشخص کو کئی خطرات لاحق ہیں: مغربی تہذیب کی چمک دمک اور اندھی تقلید، میڈیا و سوشل میڈیا کے ذریعے فکری یلغار، احساسِ کمتری، دینی تعلیم سے دوری اور نئی نسل کی اپنے اسلاف کی تاریخ سے ناواقفیت۔ ان کا حل یہ ہے کہ گھر، مسجد و مدرسہ اور تعلیمی ادارے دینی تربیت کا مرکز بنیں؛ نصاب میں سیرت و اسلامی تاریخ کو زندہ رکھا جائے؛ اسلامی تہواروں و شعائر کو اجتماعی طور پر جوش و احترام سے منایا جائے؛ اور مسلمان اپنے کردار و دیانت سے اسلام کی نیک نمائندگی کریں، کیونکہ بہترین تشخص وہی ہے جو عمل سے ظاہر ہو۔ جو قوم اپنا تشخص کھو دیتی ہے وہ تاریخ میں گم ہو جاتی ہے، اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ فخر کے ساتھ اپنی دینی شناخت برقرار رکھے۔

اسلام میں فقر وفاقے کے خاتمے کے احکام

اسلام نے فقر ومحتاجی کو ختم کرنے کے لیے صرف وعظ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ باقاعدہ قانونی واخلاقی نظام قائم کیا۔ اس نظام کا پہلا ستون زکاۃ ہے، جس کے آٹھ مصارف میں سب سے پہلے فقراء ومساکین کا ذکر ہے (التوبہ: 60)؛ اگر تمام صاحبِ نصاب مسلمان درست زکاۃ ادا کریں تو معاشرے میں کوئی بھوکا نہ رہے۔ دوسرا ذریعہ صدقات وخیرات اور وقف کا نظام ہے، جس کے تحت صدیوں تک لنگر خانے، اسپتال، سرائیں اور تعلیمی ادارے ضرورت مندوں کی خدمت کرتے رہے۔ تیسرا اصول سود کی قطعی ممانعت ہے (البقرہ: 275 تا 279)، کیونکہ سود دولت کو چند ہاتھوں میں جمع کر کے غریب کو مزید مقروض بناتا ہے؛ اس کے مقابلے میں اسلام نے قرضِ حسنہ اور شراکت ومضاربت جیسے عادلانہ طریقے دیے۔ چوتھا اصول ذخیرہ اندوزی واحتکار کی ممانعت ہے تاکہ اشیائے ضرورت کی مصنوعی قلت ومہنگائی سے غریب کا استحصال نہ ہو۔ پانچواں اصول کسبِ حلال کی ترغیب ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے (متفق علیہ)، اور مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دینے کا حکم دیا (ابن ماجہ)۔ اس کے علاوہ وراثت کی تقسیم سے دولت نسل در نسل تقسیم ہوتی رہتی ہے، یتیم ومسکین کی کفالت کو عظیم نیکی قرار دیا گیا ہے اور سورۃ الماعون میں یتیم کو دھتکارنے ومسکین کو کھانا نہ کھلانے والے کو دین کا جھٹلانے والا کہا گیا ہے۔ ریاست کی ذمہ داری بھی مقرر کی گئی کہ بیت المال سے ہر ضرورت مند کی بنیادی ضروریات پوری ہوں؛ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشہور ہے کہ اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر جائے تو عمر سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

انفرادی وقومی معیشت کے استحکام کے اصول

فرد کی معیشت کے استحکام کے لیے اسلام نے یہ اصول دیے ہیں: حلال کمائی اور حرام سے اجتناب؛ اسراف وفضول خرچی سے پرہیز اور اعتدال، جیسا کہ عباد الرحمن کی صفت بیان ہوئی کہ ان کا خرچ اسراف وبخل کے درمیان معتدل ہوتا ہے (الفرقان: 67) اور فرمایا گیا: "کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو" (الاعراف: 31)؛ مستقبل کے لیے جائز بچت ومنصوبہ بندی، جس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے ذخیرہ اندوزی کے منصفانہ نظام میں ملتی ہے؛ اور محنت وتجارت کی حوصلہ افزائی، کہ سچا وامانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین وشہداء کے ساتھ ہو گا (ترمذی)۔ قومی معیشت کے استحکام کے لیے اسلام دولت کی منصفانہ گردش چاہتا ہے تاکہ مال صرف امیروں میں گردش نہ کرتا رہے

(الحشر: 7)؛ناپ تول میں دیانت لازم ہے اور کم تولنے والوں کے لیے تباہی کی وعید ہے(المطففین)؛زراعت وصنعت کی ترقی، قدرتی وسائل کا دیانت دار استعمال، ٹیکس وزکاۃ کا شفاف نظام اور رشوت وبدعنوانی کا خاتمہ بھی اسی نظام کے اجزاء ہیں۔جب یہ اصول اپنائے جائیں تو فرد بھی خود کفیل ہوتا ہے اور قومی معیشت بھی کرپشن، سود اور عدم توازن سے پاک ہو کر مستحکم ہو جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں اسلامی مالیات (اسلامک بینکنگ) کا نظام تیزی سے مقبول ہو رہا ہے۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تشخص مسلمان کی دینی وتہذیبی زندگی کی پہچان ہے جسے قرار رکھنا ہر دور میں لازم ہے۔اسی طرح اسلام نے فقر وفاقے کے خاتمے کے لیے زکاۃ، صدقات، وقف، سود کی ممانعت، کسبِ حلال اور ریاستی کفالت کا جامع نظام دیا ہے، اور اعتدال، دیانت ومنصفانہ تقسیمِ دولت کے اصولوں سے انفرادی وقومی معیشت کے استحکام کی ضمانت دی ہے۔عمل کی صورت میں یہ نظام آج بھی غربت کا مؤثر ترین حل پیش کرتا ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com